NIBRAS
Islamic Research Journal
Department of Fiqh and Shariah
The Islamia University of Bahawalpur

Vol.5, Issue 01, January to June. 2026,
Page No. 55-69

رسول اللہ ﷺ اور قیامِ امن کی تاریخی جدوجہد: تجزیاتی مطالعہ

The Prophet Muhammad (PBUH) and the Historical Struggle for the Establishment of Peace: An Analytical Study

Nadir Akram
Department of Islamic Studies and Languages, University of Layyah, Layyah.
nadirakram8590@gmail.com

Laiba Iqbal
Department of Islamic Studies and Languages, University of Layyah, Layyah.
liqbal1908@gmail.com

Abstract:

Peace is one of the basic teachings of Islam and an important objective of the mission of Holy Prophet Muhammad (PBUH). This article examines the efforts made by the Prophet Hazrat Muhammad (PBUH) to establish peace in society and explains how his teachings and practical actions helped create a peaceful and stable community. The study is based on .the Qur'an, Hadith and early Islamic historical sources

The article discusses the social and political conditions of Arabia before the Prophet's mission and explains how he addressed violence, tribal conflicts and social injustice through wisdom, patience, justice and mutual respect. It also highlights major events such as the Charter of Madinah, the Treaty of Hudaybiyyah and the Conquest of Makkah as .practical examples of his peace-building efforts

The study further analyzes the relevance of the Prophet's approach to peace in the modern world. It argues that many present-day conflicts can be addressed by following the principles of justice, dialogue, forgiveness and respect for human dignity as demonstrated in the life of the Prophet Muhammad (PBUH).

The article concludes that the Prophet's efforts for peace were not limited to a particular time or place but provide lasting guidance for building peaceful societies based .on justice, coexistence and mutual understanding

ARTICLE INFO
Article History:
Received:
20-02- 2026
Revised:
10-03- 2026
Accepted:
20-03- 2026
Online:
26-03- 2026

Keywords: Prophet Muhammad (PBUH), Peace, Seerah, Charter of Madinah, Treaty of Hudaybiyyah, Justice, Coexistence, Islamic Teachings.

CC BY

Vol.5, Issue 01, January to June. 2026,
Page No. 55-69

1. موضوع کا تعارف

امن و سلامتی کسی بھی مہذب معاشرے کی بنیادی ضرورت ہے۔ انسانی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جہاں امن قائم رہا وہاں علم، معیشت، تہذیب اور معاشرت نے ترقی کی جبکہ بدامنی، ظلم و ستم اور باہمی لڑائی جھگڑوں نے معاشرے کو کمزور اور اندر سے کھوکھلا کر دیا۔ موجودہ دور میں بھی دنیا کو جنگ، دہشت گردی، مذہبی انتہاپسندی اور سیاسی کشیدگی جیسے مسائل کا سامنا ہے جس کی وجہ سے قیامِ امن کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔

اسلام امن و سلامتی، عدل و انصاف اور رحمت کا دین ہے۔ اسلامی تعلیمات کا مقصد صرف عبادات میں آگے بڑھ جانا نہیں بلکہ ایک ایسے معاشرے کی تشکیل بھی ہے جہاں انسان کے جان و مال، عزت و آبرو اور بنیادی حقوق بھی محفوظ ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کی اسوہ اور تعلیمات سے ہمیں ایسے اصول اور عملی اقدامات ملتے ہیں جن سے ایک منتشر، قبائلی اور مسلسل جنگوں میں الجھا ہوا معاشرہ امن و استحکام، اخوت و بھائی چارے اور انصاف پر مبنی معاشرے کی شکل اختیار کر گیا۔ آپ ﷺ کی دعوت کا آغاز بھی امن، صبر اور معاشرے کی اصلاح سے ہوا اور ریاستِ مدینہ کا قیام بھی عدل و احسان، مساوات و برابری اور باہمی تعاون و تعامل کی بنیاد پر عمل میں آیا۔

رسول اللہ ﷺ کی قیامِ امن کی کوششیں صرف مسلمانوں تک محدود نہیں تھیں بلکہ آپ ﷺ نے دیگر قبیلوں، مختلف مذہبوں اور قوموں کے ساتھ بھی عدل، رواداری، معاہدوں کی پابندی اور حسنِ سلوک کا عملی نمونہ پیش کیا۔ میثاقِ مدینہ، صلح حدیبیہ، فتح مکہ کے موقع پر عام معافی اور غیر مسلموں کے ساتھ کیے گئے معاہدات اس حقیقت کی واضح مثالیں ہیں کہ اسلام امن کو صرف ایک نظریاتی تصور نہیں بلکہ ایک عملی نظامِ حیات کے طور پر پیش کرتا ہے۔

2. امن کا مفہوم اور اسلام میں اس کی اہمیت

امن ہر مہذب معاشرے کی بنیادی ضرورت ہے۔ کسی بھی قوم کی ترقی، استحکام اور خوش حالی کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ وہاں کے افراد جان، مال، عزت اور بنیادی حقوق کے حوالے سے خود کو کس قدر محفوظ محسوس کرتے ہیں۔ جہاں خوف، ظلم اور بے یقینی کا ماحول ہو وہاں نہ معاشرتی استحکام قائم رہ سکتا ہے اور نہ ہی علمی و تہذیبی ترقی ممکن ہو سکتی ہے۔ اسی لیے اسلام نے امن کو انسانی زندگی کی بنیادی ضرورتوں میں سے ایک ضرورت قرار دیا ہے اور ایک ایسے معاشرے کی تشکیل پر زور دیا ہے جہاں عدل و انصاف، رواداری اور باہمی احترام کو فروغ حاصل ہو۔

لغوی اعتبار سے امن عربی زبان کے لفظ "أَمْن" سے اخذ کیا گیا ہے جس کے معنی خوف سے نجات، اطمینان اور سلامتی کے ہیں۔ اصطلاحی طور پر امن سے مراد ایسی فضا ہے جس میں فرد اپنے مذہبی، سماجی اور معاشی حقوق کے ساتھ سکون و اطمینان سے زندگی گزار سکے۔ اسلامی تعلیمات میں امن صرف جنگ کے خاتمے کا نام ہی نہیں بلکہ ایک ایسا جامع نظام ہے جس میں انصاف، رحم، انسانی وقار اور باہمی تعاون و تعامل کو بھی بنیادی حیثیت حاصل ہو۔

اسی حقیقت کی طرف قرآنِ کریم توجہ دلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو فتنہ و فساد یا انتشار کی طرف نہیں بلکہ سکون و سلامتی اور امن و آشتی کی طرف بلاتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ [1]

"اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف پکارتا ہے اور جسے چاہے سیدھی راہ چلاتا ہے۔"

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا اصل مزاج امن، سلامتی اور خیر خواہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی تعلیمات انسان کو

ایسے اعمال اختیار کرنے کی دعوت دیتی ہیں جو معاشرے میں سکون، اعتماد اور استحکام پیدا کریں۔ اسلام میں امن کا تصور صرف نظری تعلیم تک محدود نہیں بلکہ انسانی جان کے تحفظ کو بھی اس کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ اگر کسی معاشرے میں انسانی جان محفوظ نہ ہو تو وہاں امن کا تصور محض ایک دعویٰ بن کر رہ جاتا ہے۔ اسی لیے قرآنِ کریم نے انسانی جان کی حرمت کو غیر معمولی اہمیت دیتے ہوئے فرمایا:

مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًۢا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادٍ فِى الۡاَرۡضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيۡعًا ؕ وَمَنۡ اَحۡيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحۡيَا النَّاسَ جَمِيۡعًا [2]

جو کوئی کسی کو قتل کرے جبکہ یہ قتل نہ کسی اور جان کا بدلہ لینے کے لیے ہو اور نہ کسی کے زمین میں فساد پھیلانے کی وجہ سے ہو تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی کی جان بچالے تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے تمام انسانوں کی جان بچالی۔

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں ایک انسان کی جان بھی پوری انسانیت کی جان کے برابر اہمیت رکھتی ہے اور یہی اصول معاشرے میں امن و امان اور انسانی احترام کو مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اسلام کی امن پسند تعلیمات کا ایک اور اہم پہلو یہ بھی ہے کہ اگر حالات جنگ کی طرف بڑھ رہے ہوں لیکن فریقِ مخالف صلح اور مفاہمت کی خواہش ظاہر کر دے تو اسلام جنگ پر اصرار کرنے کے بجائے امن کو ترجیح دینے کا درس دیتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَهَا وَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ [3]

"اور اگر دشمن صلح و سلامتی کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کے لیے آمادہ ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو۔"

یہ آیت ہمیں بتاتی ہے کہ اسلام جنگ کو ہرگز پسند نہیں کرتا بلکہ جہاں امن کے قیام کی صورت پیدا ہو وہاں صلح کو ترجیح دیا جاتا ہے۔ نبیِ مہربان ﷺ کی عملی زندگی میں صلح حدیبیہ اس قرآنی ہدایت کی بہترین مثال ہے جس نے وقتی طور پر بعض مشکل یا ناپسندیدہ شرائط کے باوجود مستقبل میں اسلام کے پھیلاؤ اور خطے کے امن کی خاطر صلح کا معاہدہ کرنا پڑا۔

قرآنِ کریم کی ان تعلیمات کی عملی تعبیر رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ مبارکہ میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ آپ ﷺ نے نہ صرف امن کی تلقین فرمائی بلکہ اپنے اخلاق اور معاملات کے ذریعے بھی ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جس کی بنیاد باہمی عزت و احترام، عدل وانصاف اور امن و سلامتی پر تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَ يَدِهِ۔" [4]

"مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان بچے رہیں۔"

ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

"أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ۔" [5]

"آپس میں سلام عام کرو۔"

یہ ارشادات اس حقیقت کو نمایاں کرتے ہیں کہ اسلام میں امن کا آغاز فرد کے کردار سے ہوتا ہے اور پھر یہی کردار معاشرے میں امن و سلامتی کا ذریعہ بنتا ہے۔ ان تعلیمات و ہدایات سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اسلام امن کو محض ایک نظریاتی تصور کے طور پر پیش نہیں کرتا بلکہ اسے عملی زندگی کا لازمی حصہ قرار دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت و قیادت اور سیاسی و سماجی فیصلوں میں ہر ممکن حد تک امن، عدل وانصاف اور مصالحت و مفاہمت کو ترجیح دی۔ انہی عملی کوششوں کا تاریخی اور تجزیاتی جائزہ آئندہ مباحث میں پیش کیا جائے گا۔

3. بعثتِ نبوی ﷺ سے قبل عرب میں امن کا سماجی منظر نامہ

رسول اللہ ﷺ کی بعثت ایسے دور میں ہوئی جب جزیرۂ عرب سیاسی، سماجی اور اخلاقی اعتبار سے منتشر تھا۔ اس زمانے میں کوئی مرکزی حکومت یا ایسا منظم و مربوط نظام موجود نہ تھا جو مختلف قبائل کے درمیان عدل و انصاف قائم کر سکتا۔ ہر قبیلہ اپنے زورِ بازو اور طاقت کے بل بوتے پر فیصلے کرتا جس کے نتیجے میں معمولی اختلافات بھی طویل دشمنیوں اور خونریز جنگوں میں تبدیل ہو جاتے تھے۔ اس بوسیدہ ماحول نے امن و امان کو بُری طرح متاثر کر رکھا تھا اور عام لوگوں کی جان و مال اور عزت و آبرو ہر وقت خطرے میں تھی۔

اس دور کے عرب معاشرے میں قبائلی دشمنی کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ کسی بھی شخص کی پہچان اور تحفظ کا دارومدار اس کے قبیلے پر تھا جبکہ انصاف کا معیار حق و باطل کے بجائے قبائلی وابستگی ہوتی تھی۔ اگر کبھی کسی فردِ واحد کو نقصان پہنچتا تو سارا قبیلہ اس کا بدلہ لینے کے درپے ہو جاتا چاہے اس کے نتیجے میں سالہا سال جنگ کیوں نہ جاری رہتی۔ اس بے امنی کے علاوہ معاشرتی ناانصافیاں بھی عروج پر تھیں۔ کمزور و لاچار طبقے جیسا کہ یتیموں، غلاموں، عورتوں اور مسافروں کے حقوق کا کوئی مؤثر اور خاطر خواہ تحفظ موجود نہ تھا۔ طاقتور افراد اپنے اثر و رسوخ اور طاقت کی بنیاد پر دوسروں کے حقوق پامال کر دیتے تھے اور کمزور طبقہ انصاف حاصل کرنے سے محروم رہتا تھا۔ ایسے حالات میں نچلے طبقے کے لوگوں کے درمیان اعتماد کمزور پڑ گیا جس کی وجہ سے امن اور سماجی ہم آہنگی قائم نہیں ہو پا رہی تھی۔

مذہبی اعتبار سے بھی عرب معاشرہ انتشار کا شکار تھا۔ اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مواحدانہ تعلیمات کی کچھ باقیات موجود تھیں لیکن ان کی اکثریت بت پرستی کی دلدل میں دھنس چکی تھی۔ مذہبی اختلاف و انتشار نے بھی معاشرتی زندگی پر بڑے منفی اثرات مرتب کیے جبکہ اخلاقی اقدار کمزور پڑتی جا رہی تھیں۔ قرآنِ کریم نے اسی صورتِ حال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

وَ اعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوۡا وَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ کُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِکُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِہٖۤ اِخۡوَانًا [6]

"سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے،
تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دل جوڑ دیے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔"

اگرچہ مندرجہ بالا آیت مدینہ منورہ کے مسلمانوں کو اتحاد کی تلقین کے لیے نازل ہوئی تاہم یہ اس حقیقت کی بھی اشارہ کرتی ہے کہ اسلام سے قبل عرب قبائل باہمی دشمنی اور مسلسل کشمکش سے دوچار رہے تھے۔ اسلام نے انہی منتشر قبائل کو اخوت و بھائی چارے، اتحاد اور باہمی احترام کے رشتے میں جوڑا جو رسول اللہ ﷺ کی قیامِ امن کی کوششوں کا ایک نمایاں نتیجہ تھا۔ اس پس منظر سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت کا آغاز کسی پر امن اور منظم و مربوط معاشرے میں نہیں بلکہ ایک ایسے ماحول میں کیا جہاں قبائلی دشمنی، خونریزی، معاشرتی ناانصافی اور اخلاقی گراوٹ عام تھی۔ ایسے حالات میں امن قائم کرنا صرف ایک سماجی اصلاح کا کام نہ تھا بلکہ ایک ہمہ گیر تبدیلی کا تقاضا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حکمت و بصیرت، صبر و استقلال اور تدریج کے ساتھ اس تبدیلی کا آغاز کیا جس کا عملی مظاہرہ مکی و مدنی ادوار کی مختلف صورتوں میں سامنے آئے۔

4. مکی دور میں رسول اللہ ﷺ کی قیامِ امن کی عملی کوششیں

تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں مقیم تھے اس وقت آپ ﷺ نے امن کے قیام کے لیے مندرجہ ذیل کاوشیں کیں:

4.1 دعوتِ اسلام کا پُرامن آغاز

رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت کا آغاز ایسے معاشرے میں کیا جہاں قبائلی دشمنی، مذہبی گمراہی اور اخلاقی بگاڑ کا دور دورہ تھا۔ ایسے ماحول میں کسی بھی اصلاحی تحریک کے لیے طاقت یا تصادم کا راستہ اختیار کرنا حالات کو مزید بگاڑ سکتا تھا۔ اسی لیے حضور ﷺ نے دعوت و تبلیغ کی بنیاد علم و حکمت، اخلاقِ حسنہ اور پرامن گفتگو پر رکھی۔ آپ ﷺ نے ابتدا ہی سے لوگوں کے عقائد اور طرزِ زندگی میں تبدیلی کے لیے دلائل، خیر خواہانہ اندازِ نصیحت اور بہترین کردار کو اپنا ذریعہ بنایا۔

ابتدائی تین برس تک دعوتِ اسلام زیادہ تر خفیہ انداز میں جاری رہی۔ اس دوران آپ ﷺ نے ایسے افراد کی تربیت پر زیادہ توجہ دی جو بعد میں اسلامی معاشرے کی بنیاد بنے۔ دارِ ارقم اس تربیتی عمل کا اہم مرکز رہا جہاں قرآنِ کریم کی تعلیم، اخلاقی اصلاح اور صبر و استقامت کی تربیت دی جاتی تھی۔ اس تربیت گاہ کا مقصد کسی قسم کی محاذ آرائی کے لیے جنگجو یا مجاہدین پیدا کرنا نہیں بلکہ ایسے افراد تیار کرنا تھا جو علم و عمل، کردار و گفتار اور اخلاقِ حسنہ سے معاشرے میں مثبت تبدیلیاں لا سکیں۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلانیہ دعوت کے احکامات نازل ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے اسی پرامن اسلوب کو برقرار رکھا۔ قرآنِ کریم نے دعوت کے بنیادی اصول کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَ الۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَ جَادِلۡہُمۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ [7]

"اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور خوش اسلوبی سے نصیحت کر کے دعوت دو
اور (اگر بحث کی نوبت آئے تو) ان سے بحث بھی ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو۔"

اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کی دعوت کا اصل طریقہ حکمت، شائستہ گفتگو اور خیر خواہانہ اندازِ نصیحت ہے۔ اگرچہ یہ آیت مکی دور کے آخری مرحلے میں نازل ہوئی لیکن یہ رسول اللہ ﷺ کی پوری دعوتی زندگی کے بنیادی اصول کو واضح کرتی ہے۔ آپ ﷺ نے مخالفین کے سخت رویوں کے باوجود کبھی بدزبانی، اشتعال انگیزی یا بلا جواز تشدد کا راستہ اختیار نہیں فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ لوگوں کے ساتھ ان کے حالات اور ذہنی سطح کے مطابق گفتگو فرماتے، ان کے سوالات و اشکالات تحمل سے سنتے اور ان کی اصلاح کی کوشش فرماتے۔ آپ ﷺ کا مقصد مخالفین کو شکست دینا نہیں بلکہ انہیں حق سے روشناس کرانا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ جو ابتدا میں اسلام کے سخت مخالف تھے آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق سے نرم پڑ گئے۔

اس ابتدائی مرحلے کا تجزیہ کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قیامِ امن کا آغاز معاشرے کی فکری اور اخلاقی اصلاح سے کیا۔ آپ ﷺ نے کسی سیاسی یا عسکری قوت کے بغیر محض کردار، حکمت اور دعوت کے ذریعے ایک ایسی جماعت تیار کی جو بعد میں امن و سلامتی، عدل و انصاف اور انسانی خدمت کی علمبردار بنی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں پائیدار امن کا قیام صرف قوانین نافذ کرنے سے ممکن نہیں بلکہ اس کے لیے افراد کی فکری اور اخلاقی تربیت بھی ضروری ہے۔

4.2 ظلم و ستم کے باوجود صبر اور عدمِ تشدد کی پالیسی

رسول اللہ ﷺ کی دعوت جیسے جیسے پھیلتی گئی قریش کی مخالفت بھی شدت اختیار کرتی گئی۔ انہیں یہ ڈر تھا کہ اگر اسلام کی تعلیمات پھیلتی گئیں تو ان کا مذہبی اثر و رسوخ، قبائلی برتری اور معاشی مفادات متاثر ہوں گے۔ چنانچہ انہوں نے دعوتِ اسلام کو روکنے کے لیے مختلف حربے و ہتھکنڈے اختیار کرنا شروع کر دیے جن میں مذاق اڑانا، سماجی بائیکاٹ و جسمانی تشدد کرنا اور معاشی دباؤ ڈالنے جیسے اقدام شامل تھے۔ اس ظلم و ستم کی چکی میں سب سے وہی مسلمان پسے جو معاشرے کے کمزور طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔

ان سخت حالات کے باوجود بھی رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو صبر واستقامت، ثابت قدمی

Vol.5, Issue 01, January to June. 2026,
Page No. 55-69

وجوانمردی اور حسنِ اخلاق کی تلقین فرمائی۔ آپ ﷺ نے کسی موقع پر بھی ذاتی انتقام یا بلاوجہ طاقت کے استعمال کی اجازت نہیں دی بلکہ ہر حال میں تحمل و برداشت اور حکمت و مفاہمت کو ترجیح دی۔ اس مصلحت کا مقصد کمزوری کا اظہار ہرگز نہ تھا بلکہ معاشرے کو مزید خونریزی و انتشار سے بچانا تھا تاکہ دین کی دعوت پُرامن طریقے سے لوگوں تک پہنچ سکے۔ اس مرحلے میں قرآنِ کریم نے بھی رسول اللہ ﷺ کو صبر اور درگزر کے ساتھ ساتھ ایک بہتر اور درمیانی راستہ اختیار کرنے کی تلقین کی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ [8]

"برائی کو اس طریقہ سے دور کیجیے جو بہت اچھا ہو (آپ کے متعلق) یہ جو باتیں بناتے ہیں ہم ان کو خوب جانتے ہیں۔"

یہ آیت مبارکہ اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ اسلام نے مخالفت کے جواب میں ہر حال میں تصادم کو ترجیح نہیں دی بلکہ جس حد تک ممکن ہو سکے برائی کا جواب اچھائی، صبر و تحمل اور اعلیٰ اخلاق سے دینے کی تعلیم دی گئی ہے۔ سیرتِ نبوی ﷺ میں اس کی کئی عملی مثالیں ملتی ہیں۔ حضرت بلال، حضرت خباب بن الارت، حضرت عمار بن یاسر اور ان کے خاندان سمیت بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سخت سے سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا لیکن رسول اللہ ﷺ نے انہیں ہمیشہ صبر و برداشت اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کی تلقین فرمائی۔ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اور اُن کی اہلیہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا نے اسلام کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ تو پیش کر دیا لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کو مسلح تصادم کا حکم نہیں دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن حالات میں آپ ﷺ کی ترجیح جانوں کا تحفظ، دعوت کا تسلسل اور معاشرے کو خانہ جنگی سے محفوظ رکھنا تھا۔

اس حکمتِ عملی کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ اسلام کی دعوت انتقام یا طاقت کے بجائے اپنے اخلاق و کردار اور دلائل کی بنیاد پر آگے بڑھی۔ بہت سے ایسے افراد جو شروع میں اسلام کے سخت مخالف تھے مگر بعد میں رسول اللہ ﷺ کے اخلاق و اعمال اور صبر و استقلال سے متاثر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اس سے یہ حقیقت مزید آشکار ہو جاتی ہے کہ پائیدار امن صرف طاقت سے قائم نہیں ہوتا بلکہ برداشت، صبر و تحمل اور اعلیٰ اخلاق بھی اس کے بنیادی ستون ہو سکتے ہیں۔

تحقیقی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو مکی دور میں رسول اللہ ﷺ کی عدمِ تشدد کی پالیسی ایک عارضی مجبوری نہ تھی بلکہ سوچا سمجھا خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے طے شدہ ایک دعوتی لائحۂ عمل تھا۔ اس کا مقصد معاشرے میں بے مقصد خونریزی کو روکنا، اصلاح کے دروازے کھلے رکھنا اور ایسے حالات پیدا کرنا تھا جن میں حق کا پیغام واضح طور پر لوگوں تک پہنچ سکے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اس کے بعد میں مدینہ میں قائم ہونے والی اسلامی ریاست کی بنیاد بھی انتقام کے بجائے عدل و انصاف، نظم و ضبط اور امن و سلامتی پر استوار ہوئی۔۔

4.3 ہجرتِ حبشہ: قیامِ امن کی ایک اہم کوشش

مکی دور میں جب مسلمانوں پر ظلم و ستم اپنی انتہا کو پہنچ گیا اور انہیں اپنے دین کے مطابق زندگی بسر کرنے کی آزادی بھی حاصل نہ رہی تو رسول اللہ ﷺ نے حالات کا نہایت حکمت و تدبر کے ساتھ جائزہ لیا۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو اس ظلم و ستم کے جواب میں تصادم یا انتقام و بدلہ کی راہ اختیار کرنے کے بجائے ایک ایسے محفوظ مقام کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی جہاں وہ اپنے عقیدے و دین کے مطابق آزادی سے زندگی گزار سکیں۔ یہ فیصلہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اسلام انسانی جان کے تحفظ اور مذہبی آزادی کو بنیادی اہمیت دیتا ہے اور جب امن کے ساتھ اپنے دین پر عمل ممکن نہ رہے تو پھر پُرامن ہجرت بھی ایک جائز و دانشمندانہ راستہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا: "اگر تم لوگ ملکِ حبش چلے جاؤ تو بہتر ہے کیونکہ وہاں کا بادشاہ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور وہ صدق و راستی کی سرزمین ہے یہاں تک کہ خدا تمہارے واسطے کشادگی

فرمائے اور جس سختی میں تم ہو اُس کو دور کر دے۔"[9]

اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حبشہ کا انتخاب صرف زمینی قربت و نزدیکی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لیے کیا کہ وہاں ایک عادل و امن پسند حکمران، نجاشی حکومت کرتا تھا جو مذہبی آزادی اور انصاف کا احترام کرتا تھا۔ یہ فیصلہ اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ قیامِ امن کے لیے انصاف پر مبنی ریاست اور صلح پسند منصف حکمران کی کتنی اہمیت ہے۔

حبشہ کی جانب ہجرت کے دوران مسلمانوں نے کسی قسم کی مزاحمت یا انتقامی کارروائی اختیار نہیں کی بلکہ خاموشی اور نظم و ضبط کے ساتھ مکہ مکرمہ چھوڑ دیا۔ بعد ازاں جب قریش نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور دیگر مہاجرین کو واپس لانے کے لیے اپنا وفد حبشہ بھیجا تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے نہایت وقار، حکمت اور مدلل انداز میں اسلام کی تعلیمات پیش کیں اور سورۂ مریم کی ابتدائی آیات کی تلاوت کی۔ ان آیات نے نجاشی اور اُن کے درباریوں پر گہرا اثر ڈالا جس کے نتیجے میں انہوں نے مہاجر مسلمانوں کو اپنے ملک میں رہنے کی اجازت برقرار رکھی اور قریش کے مطالبے کو مسترد کر دیا۔

یہ واقعہ اس بات کی عملی مثال ہے کہ شائستگی سے کیا گیا مکالمہ، دلائل سے کی گئی گفتگو اور حسنِ اخلاق بعض اوقات وہ نتائج پیدا کرسکتے ہیں جو طاقت کے ذریعے حاصل نہیں کیے جاسکتے۔ رسول اللہ ﷺ کی تربیت نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ شعور دیا کہ اپنے موقف کو حکمت اور دلیل کے ساتھ پیش کرنا بھی امن قائم کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔

قرآنِ کریم میں مذہبی آزادی کے اصول بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے:

لَآ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ [10]

"دین میں جبر نہیں۔"

اگرچہ یہ آیت مدنی دور میں نازل ہوئی لیکن یہ اسلام کے اس مستقل و واضح اصول کی نشاندہی کرتی ہے کہ ایمان زور زبردستی یا جبراً نہیں بلکہ آزادانہ اختیار اور یقین سے پھیلتا ہے۔ حبشہ کی ہجرت اسی اصول کی ایک عملی تصویر تھی جہاں مسلمانوں نے دوسروں پر اپنا عقیدہ مسلط کرنے کے بجائے اپنے لیے پُرامن ماحول تلاش کیا جہاں وہ آزادانہ طور پر اپنے دین کے مطابق زندگی گزار سکیں۔

تجزیاتی اعتبار سے حبشہ کی جانب ہجرت رسول اللہ ﷺ کی قیامِ امن کی حکمتِ عملی کا ایک اہم مرحلہ تھی۔ اس فیصلے سے واضح ہوا کہ اسلام بلاوجہ کی لڑائی و تصادم کے بجائے جان و مال کے تحفظ، مذہبی آزادی اور امن و سلامتی کا درس دیتا ہے۔ مزید یہ کہ اس واقعے نے مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان عدل و مساوات اور احترام کی ایک کامیاب مثال بھی قائم کی۔ ایک عیسائی بادشاہ کی طرف سے مسلمانوں کو پناہ مل جانا اس بات کی دلیل ہے کہ انصاف اور امن مشترکہ انسانی اقدار ہیں جن کی بنیاد پر مختلف مذاہب کے پیروکار بھی باہمی احترام اور وقار کے ساتھ زندگی بسر کرسکتے ہیں۔

4.4 مخالفین کے ساتھ حسنِ اخلاق اور مؤثر اندازِ گفتگو

رسول اللہ ﷺ کی قیامِ امن کی کوششوں کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ نے شدید دشمنی و مخالفت، تکلیف اور اذیت کے باوجود بھی اپنے مخالفین کے ساتھ حسنِ اخلاق، تحمل و بردباری اور مثبت اندازِ گفتگو کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ آپ ﷺ کا مقصد اُنہیں زیر کرنا نہیں بلکہ ان کے دل جیتنا اور انہیں حق بات کی طرف دعوت دینا تھا۔ اسی لیے آپ ﷺ نے ہر موقع پر ایسا طرزِ عمل اور انداز اختیار کیا جس سے نفرت و عداوت کے بجائے باہمی اعتماد اور اصلاح کی راہیں ہموار ہوں۔

قرآنِ کریم میں بھی دعوتِ دین میں نرم گفتگو اور عمدہ اخلاق کو بنیادی اہمیت دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام

اور اُن کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو فرعون جیسے سر کش و نافرمان حکمران کے پاس بھیجتے ہوئے فرمایا:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى [11]

"پھر اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا شاید وہ نصیحت قبول کر لے یا اللہ سے ڈر جائے۔"

اگرچہ یہ حکم حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے لیے تھا جبکہ وہ دونوں فرعون کے پاس گئے تھے لیکن اس سے دعوتِ حق کا ایک اصول بھی تو سامنے آتا ہے کہ سخت ترین مخالف و عدوّ کے ساتھ بھی گفتگو شائستگی و تحمل اور حکمت و دانائی سے ہونی چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے دعوتی مشن میں اسی اصول کو ملحوظِ خاطر رکھا۔

سیَر و تواریخ کی کتب میں ہمیں ایسے واقعات کثرت سے ملتے ہیں جن میں نبی کریم ﷺ کی دعوتی حکمت عملی اور دوراندیشی کا ذکر ملتا ہے۔ جب قریش نے آپ ﷺ کو جھٹلایا، آپ ﷺ پر طرح طرح کے الزامات لگائے اور ایذارسانی کی تب بھی آپ ﷺ نے ان کے لیے بد دعا کرنے کے بجائے عفو در گزر کا مظاہرہ فرمایا اور ان کے لیے ہدایت کی دعا فرمائی۔ سفر طائف میں جب اہلِ طائف نے آپ ﷺ کو جھٹلایا، تمسخر اُڑایا، گلی محلّوں کے آوارہ اور اوباش قسم کے لڑکے امام انبیاء ﷺ کے پیچھے لگائے اور سخت سے سخت تکلیف پہنچانے میں بھی کوئی کسر اُٹھانہ رکھی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے پہاڑوں کا فرشتہ حاضر ہوا اور ان پر عذابِ الٰہی نازل کرنے کی اجازت چاہی مگر اللہ کے مشفق و مہربان رسول ﷺ نے فرمایا:

"بَلْ أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا۔" [12]

"مجھے تو اس کی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایسی اولاد پیدا کرے گا جو اکیلے اللہ کی عبادت کرے گی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے گی۔"

رسول اللہ ﷺ کا یہ طرزِ عمل اس حقیقت کو نمایاں کرتا ہے کہ مؤثر و بہترین گفتگو صرف دلائل سے نہیں بلکہ کردار اور اخلاق سے بھی کی جاسکتی ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے مخالفین و ناقدین کو عزت دی، ان کی بات سنی اور ہر ممکن طریقے سے انہیں قائل کرنے کی کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے ایسے افراد و قبائل جو شروع میں تو اسلام کے سخت مخالف تھے لیکن بعد میں آپ ﷺ کے حسنِ اخلاق کردارِ پاکیزہ سے متاثر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

تحقیقی اعتبار سے دیکھا جائے تو اِن حالات میں رسول اللہ ﷺ کا اسلوبِ مکالمہ و اندازِ گفتگو قیامِ امن کے لیے ایک مؤثر و مفید حکمتِ عملی ثابت ہوئی۔ آپ ﷺ نے اختلاف و عناد کو دشمنی و عداوت میں تبدیل نہیں ہونے دیا بلکہ حسنِ اخلاق حسنِ کردار، صبر و برداشت اور مثبت گفتگو کے ذریعے اختلافات کو افہام و تفہیم میں بدلنے کی کوشش فرمائی۔ موجودہ دور میں بھی جب مذہبی، سیاسی یا سماجی اختلافات نفرت و تشدد کا سبب بننے لگیں تو سیرتِ رسول ﷺ کا یہی پہلو سامنے رکھنا چاہیئے اور یہ ذہن نشین رہنا چاہیئے کہ پائیدار امن صرف طاقت سے ہی نہیں بلکہ بہترین اخلاق اور باہمی عزت و احترام سے بھی قائم کیا جاسکتا ہے۔

5. مدنی دور میں رسول اللہ ﷺ کی قیامِ امن کی عملی جدوجہد

رسول اللہ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف فرما ہوئے تو آپ ﷺ کا حلقہ بہت بڑھ گیا، خصوصاً انصار مدینہ ہر وقت حکم کی بجا آوری کے لیے تیار رہتے۔ اس کے باوجود بھی رسول اللہ نے عملی طور پر امن کو ہی ترجیح دی اور ممکنہ طور پر لڑائی سے گریز فرماتے۔ اس دور میں رسول اللہ ﷺ کی عملی جدوجہد مندرجہ ذیل صورتوں میں نظر آتی ہے:

NIBRAS
Islamic Research Journal
Department of Fiqh and Shariah
The Islamia University of Bahawalpur
Vol.5, Issue 01, January to June. 2026,
Page No. 55-69

5.1 میثاقِ مدینہ: پُرامن ریاست کی بنیاد

مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کو ایک ایسے معاشرے کا سامنا کرنا پڑا جو نسلی و قبائلی اور مذہبی لحاظ سے مختلف تھا۔ مدینہ منورہ میں مہاجرین و انصار، یہودی قبائل اور دیگر گروہ آباد تھے جن کے درمیان ماضی قریب میں مختلف اسباب کی بنا پر اختلافات موجود تھے۔ اگر ان طبقات کے درمیان باہمی تعلقات کو کسی منظم و مربوط اصول و قوانین کے تحت استوار نہ کیا جاتا تو نئی اسلامی ریاست کو بہت سے داخلی انتشار سے دوچار ہونا پڑتا۔ ایسے نازک و پیچیدہ حالات میں رسول اللہ ﷺ نے ایک جامع معاہدہ مرتب فرمایا جو تاریخ میں میثاقِ مدینہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

میثاقِ مدینہ محض ایک سیاسی معاہدہ نہ تھا بلکہ ایک ایسا سماجی اور آئینی دستور تھا جس کا بنیادی مقصد مختلف طبقات کے درمیان امن امان، عدل و بھائی چارہ اور باہمی تعاون و تعامل کو فروغ دینا تھا۔ اس معاہدے میں ہر فریق کے حقوق و فرائض کو واضح کیا گیا، ایک دوسرے کی مذہبی آزادی کو تسلیم کیا گیا اور اس امر پر اتفاق کیا گیا کہ مدینہ کے امن و استحکام کو سب مل کر برقرار رکھیں گے۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ نے اختلافات کو تصادم کے بجائے اصول و قانون اور باہمی معاہدے کے ذریعے حل کرنے کی بنیاد رکھی۔

میثاقِ مدینہ کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس میں مدینہ کے آباد یہودی قبیلوں کو بھی شہری برادری کا حصہ تسلیم کیا گیا اور انہیں ان شرائط پر کہ وہ معاہدے کی شرائط کی پابندی کریں گے اور ریاست کے امن و سلامتی کے خلاف کوئی قدم نہ اُٹھائیں گے، اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی دی گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول ﷺ نے ایک ایسی ریاست کی بنیاد رکھی جس میں مذہبی اختلافات کو دشمنی کا سبب نہیں بنایا گیا بلکہ قانون اور انصاف کی بنیاد پر مختلف عقائد و نظریات کے حامل لوگوں کو ساتھ لے کر چلنے کی سعی و کوشش کی گئی۔

5.2 مواخاتِ مدینہ

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ایک نئی صورتِ حال پیدا ہوئی۔ مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے آنے والے اپنے گھر، جائیداد، کاروبار اور بہت سے عزیز و اقارب کو پیچھے چھوڑ کر آئے تھے جبکہ مدینہ منورہ میں موجود لوگ پہلے ہی ایک نئے سماجی نظام کا حصہ بن رہے تھے۔ اگر ان دونوں گروہوں کو کسی مضبوط رشتے میں منسلک نہ کیا جاتا تو معاشرتی فاصلے، معاشی مشکلات و مسائل اور قبائلی احساسات نئی اسلامی ریاست کے لیے ایک گھمبیر صورتِ حال پیدا کر سکتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان نازک حالات کو نہایت حکمت و تدبر اور کمال فہم و فراست سے سنبھالتے ہوئے مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات قائم فرمائی جو قیام امن کی ایک مؤثر و کارآمد اور دور رس حکمتِ عملی ثابت ہوئی۔

مواخاتِ مدینہ کا مقصد صرف دو افراد کو بھائی بھائی قرار دینا ہی نہیں بلکہ ایک ایسے معاشرے کو تشکیل دینا بھی تھا جس میں حسب و نسب، قوم و قبیلہ اور معاشی حیثیت کے بجائے ایمان و اعمال، تعاون و ہمدردی اور باہمی ذمہ داری کو اہمیت حاصل ہو۔ ان اقدام نے مہاجرین کی معاشی و سماجی مشکلات و مسائل میں نمایاں کمی کی اور انصار نے اپنے دینی و اسلامی بھائیوں کی ہر ممکن مدد کر کے ایثار و قربانی اور اخوت و مساوات کی بے نظیر مثال قائم کی۔ قرآنِ نے اس جذبۂ ایثار و قربانی اور بھائی چارے کو نہایت مؤثر و جامع انداز میں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۔[13]

"اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔"

یہ آیتِ مبارکہ انصارِ مدینہ کی اس عظیم قربانی اور ایثار کی عکاسی کرتی ہے کہ انہوں نے مہاجرین کو نہ صرف پناہ دی بلکہ اپنے کاروبار اور جائیداد، حتیٰ کہ اپنی زمینوں میں اپنے مہاجر بھائیوں کو برابر کا حصہ دار ٹھہرایا اور اپنی ضروریات پر بھی انہیں ترجیح دی۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں سماجی امن کا قیام صرف قوانین سے ہی نہیں بلکہ ایثار و قربانی، مدد و تعاون اور باہمی ہمدردی سے بھی ممکن ہوتا ہے۔

Vol.5, Issue 01, January to June. 2026,
Page No. 55-69

رسول اللہ ﷺ نے مواخاتِ مدینہ کو محض ایک رسمی وسرسری تعلق نہیں بنایا بلکہ اسے باہمی تعاون، ذمہ داری اور اجتماعی استحکام کی بنیاد بھی بنایا، جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا۔" 14

"ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے ایک عمارت کے مانند ہے جس کی ایک (اینٹ) دوسری (اینٹ) کو مضبوط کرتی ہے۔"

یہ حدیثِ مبارکہ اس بات کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ کوئی بھی معاشرہ اسی صورت مضبوط و مستحکم رہ سکتا ہے اگر اس کے افراد ایک دوسرے کا سہارا بنیں، ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں اور باہمی ذمہ داری کا احساس رکھیں۔ مواخاتِ مدینہ نے انہی اصول و قوانین کو عملی صورت دی جہاں مہاجرین اور انصار نے ایک دوسرے کی معاشی و سماجی اور اخلاقی مدد کر کے نئی پروان چڑھنے والی اسلامی ریاست کو اندرونی طور پر مستحکم کیا۔

مواخاتِ مدینہ کے یہ اثرات صرف اسی وقت کے معاشرتی حالات تک محدود ہی نہ رہے بلکہ اس نے مسلمانوں کے درمیان ایسی باہمی محبت واُلفت اور ہمدردی کے جزبے کو فروغ دیا جس نے ایک متحد و مستحکم اور پُرامن معاشرے کی تشکیل میں بنیادی ومؤثر کردار ادا کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے اسی اجتماعی شعور کو ایک نہایت عمدہ مثال کے ذریعے واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

تَرَى الْمُؤْمِنِينَ فِي تَرَاحُمِهِمْ وَ تَوَادِّهِمْ وَ تَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ، إِذَا اشْتَكَى عُضْوًا تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ جَسَدِهِ بِالسَّهَرِ وَ الْحُمَّى 15

"تم مومنوں کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحمت ومحبت کا معاملہ کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ لطف ونرم خوئی میں ایک جسم جیسا پاؤ گے کہ جب اس کا کوئی ٹکڑا بھی تکلیف میں ہوتا ہے تو سارا جسم تکلیف میں ہوتا ہے۔ ایسا کہ نیند اڑ جاتی ہے اور جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔"

اس حدیثِ مبارکہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرے میں حقیقی امن وامان صرف ظاہری نظم وضبط کا نام نہیں بلکہ افراد کے درمیان ایسی باہمی محبت و ہمدردی اور احساسِ ذمہ داری کا نام بھی ہے جس میں ایک فرد کی تکلیف کو پوری جماعت کی تکلیف تصور کیا جائے۔ مواخاتِ مدینہ نے اسی شعور وتصور کو عملی شکل دی جس کے نتیجے میں مدینہ منورہ کا معاشرہ باہمی اعتماد ویقین، تعاون اور اخوت کی مضبوط بنیادوں پر استوار ہوا۔

5.3 صلحِ حدیبیہ: امن کی راہ میں فیصلہ کن پیش رفت

ہجرت کے چھٹے سال رسول اللہ ﷺ نے ایک خواب دیکھا کہ آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب امن کے ساتھ بیت اللہ کی زیارت کر رہے ہیں۔ اس بشارت وخوشخبری کے بعد آپ ﷺ تقریباً چودہ سو صحابہ کے ساتھ عمرہ کی نیت سے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مسلمانوں کے پاس کسی قسم کا جنگی سازوسامان نہ تھا کیونکہ ان کا مقصد قتال کرنا نہیں بلکہ اپنے عقائد ومذہب کے مطابق عبادت کرنا تھا۔ تاہم قریشِ مکہ نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور دونوں فریقوں کے درمیان باہمی گفتگو اور مذاکرات کا سلسلہ شروع ہوا جو بالآخر صلحِ حدیبیہ کی صورت میں اختتام پزیر ہوا۔

اس معاہدے کی چند شرائط ظاہری طور پر مسلمانوں کے حق میں نہ تھیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے دور اندیشی، تحمل وحکمت عملی اور وسیع تر مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے اس معاہدے کو من وعن قبول فرمایا۔ آپ ﷺ جانتے تھے کہ وقتی طور پر بعض مطالبات سے دستبردار ہو جانا مسلسل و دیرپا جنگ اور خونریزی سے بدرجہا بہتر ہے۔ ابتدا میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لیے یہ سمجھنا نہایت

مشکل تھا کہ بظاہر سخت و ناقابلِ قبول شرائط پر ہونے والا معاہدہ کامیاب کیسے ہو سکتا ہے لیکن بعد کے حالات وواقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ بالکل سچا تھا۔ جنگ بندی کے باعث مسلمانوں اور اہلِ مکہ کے درمیان رابطے بڑھے، دعوتِ حق کو پھیلنے کا پُر امن ماحول میسر رہا اور بہت سے لوگوں نے بغیر کسی حیل و حجت اور دباؤ کے اسلام قبول کیا۔ اسی لیے مؤرخین واہلِ سیّر حضرات صلحِ حدیبیہ کو اسلام کی دعوت کے پھیلاؤ میں ایک فیصلہ کن موڑ قرار دیتے ہیں۔

سیرتِ نبوی ﷺ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معاہدوں کی پاسداری امن کے قیام کی بنیادی شرط ہے۔ چنانچہ صلحِ حدیبیہ کی بعض شرائط اگرچہ مسلمانوں کے لیے دشوار تھیں لیکن آپ ﷺ نے ان کی مکمل پابندی فرمائی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی اس کی تلقین فرمائی۔ حضور ﷺ کا یہی طرزِ عمل اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ امنِ حقیقی جذباتی فیصلوں سے نہیں بلکہ اصولوں کی پابندی معاہدوں کی پاسداری اور صبر واستقامت سے قائم ہوتا ہے۔

تحقیقی اعتبار سے صلحِ حدیبیہ رسول اللہ ﷺ کی قیامِ امن کی حکمتِ عملیوں اور کاوشوں کا ایک غیر معمولی نمونہ ہے۔ اس معاہدے کی بدولت وقتی طور پر جنگ کو رُک گئی، دعوتِ اسلام کو پھلنے پھولنے کے لیے سازگار ماحول میسر آیا، دیگر قبیلوں کے ساتھ تعلقات میں بہتری آئی اور اسلامی ریاست کو مزید استحکام ملا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات حالات کے پیشِ نظر پائیدار و دیرپا امن کے لیے وقتی جذبات کے بجائے دور اندیشی، صبر و تحمل اور مذاکرات کو ترجیح دینا زیادہ مؤثر و کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔ اسی وجہ ہے کہ صلحِ حدیبیہ کو تاریخِ اسلامی میں امن پر مبنی سفارت کاری کی کامیاب مثالوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

صلحِ حدیبیہ کے موقع پر معاہدہ ابھی تحریر ہی کیا جارہا تھا کہ ایک صحابی حضرت ابو جندل بن سہیل رضی اللہ عنہ مکہ میں قید تھے زنجیروں میں جکڑے ہوئے مسلمانوں کے پاس پہنچے۔ وہ اسلام قبول کر چکے تھے اور قریش کے ظلم سے چھٹکارا حاصل کر لینا چاہتے تھے لیکن اسی دوران ان کے والد سہیل بن عمرو (جو قریش کی طرف سے مذاکرات کر رہے تھے) نے معاہدے کی شرط کے مطابق ان کی واپسی کا مطالبہ کر دیا۔ یہ مرحلہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے ایک سخت امتحان اور آزمائش تھا۔ اس کے باوجود بھی رسول اللہ ﷺ نے معاہدے کی پاسداری کو ضروری سمجھا اور حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کو اُن کے والد کے حوالے کر دیا۔

یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی دور اندیشی اور اصول پسندی کا بیّن ثبوت ہے اگرچہ اس موقع پر جذباتی فیصلہ کرنا نہایت آسان تھا لیکن اس سے معاہدہ وقوع پذیر ہونے سے پہلے ہی ٹوٹ جاتا اور دوبارہ جنگ کے امکانات پیدا ہو جاتے۔ آپ ﷺ نے وقتی طور پر تکلیف برداشت کرتے ہوئے معاہدے کی پابندی کو مقدم رکھا کیونکہ آپ ﷺ کی نظر فوری ردِ عمل کے بجائے دیرپا امن وسلامتی اور وسیع تر اجتماعی مفاد پر تھی۔ بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ یہی فیصلہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے زیادہ مؤثر و مفید رہا۔

5.4 فتحِ مکہ: عفو و درگزر کے ذریعے امن کا قیام

ہجرت کے آٹھویں سال جب قریشِ مکہ نے صلحِ حدیبیہ کی شرائط کی واضح طور پر خلاف ورزی کی تو معاہدہ یہ ختم ہو گیا۔ اس صورتِ حال میں رسول اللہ ﷺ نے دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف پیش قدمی کی۔ اگرچہ مسلمانوں کے پاس افرادی و فوجی لحاظ سے مکمل قوت موجود تھی لیکن آپ ﷺ کی اوّلین ترجیح خونریزی سے بچنا اور مکہ میں امن وامان کے ساتھ داخل ہونا تھا۔ اسی مقصد کے تحت آپ ﷺ نے لشکرِ اسلام کو ہر قسمی احتیاط، نظم وضبط اور غیر ضروری جنگ وقتال سے اجتناب کی ہدایت فرمائی جس کے نتیجے میں مکہ مکرمہ تقریباً بغیر کسی بڑی لڑائی یا خونریزی کے فتح کر لیا گیا۔

اِس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے عام اعلان فرمادیا:

مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ، وَ مَنْ أَلْقَى السِّلَاحَ فَهُوَ آمِنٌ وَ مَنْ أَغْلَقَ بَابَهُ فَهُوَ آمِنٌ [16]

"جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں چلا گیا اس کو امن ہے اور جو ہتھیار ڈال دے اس کو بھی امن ہے اور جو اپنا دروازہ بند کر لے اس کو بھی امن ہے۔"

اس اعلان نے واضح کر دیا کہ آپ ﷺ کا مقصد دشمن کو نیست و نابود کرنا یا اُنہیں نیچا دِکھانا ہر گز نہیں بلکہ آپ ﷺ تو شہر میں امن و امان قائم کرنا اور عام لوگوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ یقینی بنانا چاہتے تھے۔ جب آپ ﷺ بیت اللہ شریف کے سامنے کھڑے ہوئے تو وہی لوگ آپ ﷺ کے سامنے سر جھکائے کھڑے تھے جنھوں نے برسوں تک آپ ﷺ اور آپ کے ہمنواؤں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا، طرح طرح کی تکالیف دیں، وطن چھوڑنے پر بھی مجبور کیا اور متعدد جنگیں مسلط کیں۔ اس موقع پر جب بدلہ لینا بظاہر ممکن تھا اور آپ ﷺ حق بجانب بھی تھے لیکن اِن حالات میں بھی مشفق و مہربان نبی ﷺ نے اُنہیں عام معافی اور امان عطا فرمائی۔

یہ مختصر مگر تاریخ ساز اعلان رسول اللہ ﷺ کے عفو و در گزر، رحم دلی اور شفقت و مہربانی کا بے مثال نمونہ تھا۔ اس فیصلے نے مکہ مکرمہ میں انتقام کی آگ کو بجھا دیا اور ایک ایسے دور کا آغاز کیا جس میں بہت سے لوگوں نے خوف و ہراس کے بجائے اعتماد اور امن کی فضا میں اسلام قبول کیا۔ تحقیقی اعتبار سے فتح مکہ اس حقیقت کا واضح ثبوت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیاسی و عسکری کامیابی کو بھی امن و سکون، عدل وانصاف اور اخلاقی اقدار کے تابع رکھا۔ اگر اس نازک موقع پر وسیع پیمانے پر انتقام لیا جاتا تو عرب دوبارہ قبائلی دشمنیوں کی طرف لوٹ سکتا تھا لیکن آپ ﷺ کے عام اعلانِ معافی نے اس خطرے کو بھی ختم کر دیا اور ایک نئے پُر امن معاشرے کی داغ بیل ڈالی گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پائیدار امن صرف قوت حاصل کرنے سے نہیں بلکہ قوت کے صحیح استعمال، عدل و میانہ روی، ضبطِ نفس اور معافی و عفو و در گزر سے قائم ہوتا ہے۔

6. عصرِ حاضر میں سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں امن پالیسی کی اہمیت

رسول اللہ ﷺ کی قیامِ امن کی کوششیں محض عرب معاشرے تک محدود نہ تھیں بلکہ ان میں ایسے اصول و قوانین بھی موجود ہیں جو ہر دور، ہر علاقے اور ہر معاشرے کے لیے رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ موجودہ دور میں مذہبی انتہاپسندی، نسلی و قومی تعصب، سیاسی اُتار چڑھاؤ، معاشرتی تقسیم اور بین الاقوامی تنازعات نے امنِ عالم کو سنگین مسائل و مشکلات سے دوچار کر رکھا ہے۔ ایسے حالات میں سیرتِ نبوی ﷺ کا گہرا مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ پائیدار و دیرپا امن صرف طاقت کے استعمال سے نہیں بلکہ عدل، تحمل و برداشت، باہمی وقار احترام اور قانونی بالادستی سے قائم ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں مختلف مذہبوں اور قبیلوں پر مشتمل معاشرے کو ایک مشترکہ معاہدے کے ذریعے متحد کیا۔ اس سے یہ اصول سامنے آتا ہے کہ ایک ایسا معاشرہ جس میں مختلف عقائد و نظریات کے لوگ رہتے ہوں، میں امن برقرار رکھنے کے لیے عدل و انصاف، شہری مساوات اور معاہدوں کی پاسداری بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ آج بھی ایسے معاشرے جہاں مختلف مذاہب، ثقافتوں اور قومیّتوں سے تعلق رکھنے والے افراد ایک ساتھ رہتے ہوں، میثاقِ مدینہ کا یہ نمونہ باہمی اعتماد و یقین اور پُر امن فضا کے فروغ میں مؤثر و مفید رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

اسی طرح مواخاتِ مدینہ سے یہ درس بھی ملتا ہے کہ کسی بھی معاشرے میں امن وامان صرف قانون وضع کرنے سے نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے وہاں بسنے والے افراد کے درمیان باہمی تعامل و تعاون، ایثار و قربانی اور ہمدردی جیسے جذبات واحساسات پیدا ہونا بھی ضروری

NIBRAS
Islamic Research Journal
Department of Fiqh and Shariah
The Islamia University of Bahawalpur
Vol.5, Issue 01, January to June. 2026,
Page No. 55-69

ہیں۔ اگر کسی بھی معاشرے کے کمزور اور لاچار طبقات کو قطعی طور پر نظر انداز کر دیا جائے تو سماجی بے چینی وبدامنی اور عدم استحکام جیسی پیچیدہ صورتحال پیدا ہوسکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اخوت وبھائی چارے اور باہمی تعاون کے ذریعے اس مسئلے کا عملی حل پیش کیا جو آج بھی ایک پُرامن معاشرے کی تشکیل اور فلاح وبہبود میں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

صلح حدیبیہ سے یہ بات نمایاں ہوتی ہے کہ بعض اوقات وقتی مفادات وخواہشات سے دستبردار ہو کر وسیع تر امن اور استحکام کو ترجیح دینا زیادہ دانشمندانہ اور حکیمانہ فیصلہ ہو سکتا ہے۔ موجودہ دور میں بھی جب مختلف ریاستوں اور معاشروں کے درمیان تنازعات کے حل کے لیے مذاکرات ہوں، معاہدوں کی پاسداری کا عمل ہو تو اسی نبوی حکمتِ عملی سے مستفید ہوا جاسکتا ہے۔

فتحِ مکہ اس بات کی دلیل ہے کہ حقیقی کامیابی محض مخالف پر غلبہ حاصل کر لینا نہیں بلکہ فتح وکامیابی کے بعد عدل وانصاف، ضبطِ نفس اور عفو ودرگزر کا مظاہرہ بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ آج کے دور میں جب سیاسی وسماجی اختلافات اکثر وبیشتر انتقام اور دشمنی ونفرت کو جنم دیتے ہیں تو ایسے حالات میں رسول اللہ ﷺ کا یہی رویہ ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ پائیدار امن اسی وقت قائم ہو سکتا ہے جب طاقت وقوت کے ساتھ ساتھ رحمدلی، انصاف اور اخلاقی ذمہ داری بھی موجود ہو۔

ان سب حالات وواقعات کو پرکھنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی امن پالیسی محض نظریاتی تعلیمات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک ایسا عملی نمونہ تھی جس نے بکھرے ہوئے معاشرے کو متحد کیا، مختلف طبقات کے درمیان اعتماد ویقین کی فضائیں ہموار کیں اور عدل وانصاف پر مبنی ایک مستحکم ومضبوط معاشرہ تشکیل دیا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قیامِ امن کے لیے کی گئی یہی کوششیں آج بھی امن، رواداری اور سماجی استحکام کے حوالے سے ایک مؤثر ومفید اور قابلِ عمل رہنما اصول فراہم کرتی ہیں۔

7. خلاصۃ البحث

رسول اللہ ﷺ کی سیرت وتعلیمات سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ اسلام میں امن محض جنگ کے نہ ہونے کا نام نہیں بلکہ ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا ہے جہاں عدل وانصاف، باہمی احترام ومحبت، انسانی حقوق، اپنے نظریات وعقائد کے مطابق مذہبی آزادی اور سماجی تعاون کو فروغ حاصل ہو۔ آپ ﷺ نے دعوتِ حق کے آغاز ہی سے معاشرے میں اصلاح، صبر وبرداشت اور حسنِ اخلاق کو اہمیت دی اور ہر مرحلے پر ایسے اقدامات کیے جن سے اختلافات ودوریاں کم کی جاسکیں اور لوگوں کے درمیان اعتماد واتحاد پیدا ہوسکے۔

مکی دور میں شدید مخالفت ونفرتوں اور ظلم وستم کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے صبر وتحمل، حکمت ودانائی اور پُرامن دعوت وتبلیغ کا راستہ اختیار کیا۔ مسلمانوں کی حبشہ کی طرف ہجرت، مخالفین کے ساتھ حسنِ اخلاق اور مؤثر اندازِ گفتگو اس بات کی واضح مثالیں ہیں کہ آپ ﷺ نے لڑائی جھگڑے کے بجائے ایسے ذرائع اور راستے اختیار کیے جن سے انسانی جانوں کا تحفظ ممکن ہو سکے اور اسلام کی نشرواشاعت کے لیے پُرامن ماحول قائم رہے۔

مدنی دور میں رسول اللہ ﷺ کی قیامِ امن کی کوششیں مزید منظم اور جامع صورت میں سامنے آئیں۔ میثاقِ مدینہ کے ذریعے مختلف مذہبی وقبائلی گروہوں کے درمیان باہمی حقوق وفرائض متعین کیے گئے جبکہ مواخاتِ مدینہ نے مہاجرین وانصار کے درمیان اخوت بھائی چارہ، باہمی مددوتعاون اور سماجی ہم آہنگی کو فروغ دیا۔ اسی طرح صلح حدیبیہ نے یہ ثابت کیا کہ بعض اوقات مستقل ودیرپا امن وسلامتی کے لیے صبر وداشت، مذاکرات اور معاہدوں کی پاسداری فوری جذباتی ردِعمل سے زیادہ مؤثر ثابت ہوتی ہے۔ فتحِ مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کا شفقت ورحمدلی اور عام اعلانِ معافی اس چیز کا عملی ثبوت ہے کہ حقیقی قیادت وہی ہے جو قوت حاصل ہونے کے بعد بھی عدل وانصاف، رحم اور عفو ودرگزر کو اختیار کرے۔

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی امن پالیسی کسی ایک زمانے یا دور تک محدود نہیں تھی بلکہ آپ ﷺ کی پوری دعوت و قیادت اسی فکر پر قائم تھی کہ معاشرے میں عدل، قانون، اخوت و بھائی چارہ، رواداری اور باہمی اعتماد و یقین کو فروغ دیا جائے۔ یہی اصول و قوانین نہ صرف اس وقت کے عرب معاشرے میں امن و استحکام کا سبب بنے بلکہ آج کے دور میں بھی انفرادی، سماجی اور بین الاقوامی سطح پر رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا ہر گز غلط نہ ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ کی قیامِ امن کی کوششیں تاریخ کا صرف ایک روشن باب ہی نہیں بلکہ ایک ایسا عملی نمونہ ہے، جو ہر دور میں ایک متوازن اور پُر امن معاشرے کی تشکیل کے لیے قابلِ عمل راہنمائی فراہم کرتا ہے۔

نتائج مقالہ:

اس مضمون سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

1. رسول اللہ ﷺ حقیقی امن کے داعی کے طور پر سامنے آئے۔
2. اسلام امن کا درس دیتا ہے اور اس کی تعلیمات میں ہر حالت میں امن کو اختیار کرنا لازم ہے۔
3. اسلام نے جارحیت کی اجازت نہیں دی بلکہ صرف ظلم کے سدِباب کے لیے قتال کی اجازت دی ہے۔
4. مذہبی رواداری امن کی کلید ہے اور امن کے لیے نرم کلامی اور حسنِ سلوک ضروری ہے۔
5. مساوات اور انصاف کے بغیر پائیدار امن ممکن ہی نہیں۔

Vol.5, Issue 01, January to June. 2026,
Page No. 55-69

مصادرومراجع

[1]القرآن،10:25

Al-Qurʾān 10:25

[2]القرآن،5:32

Al-Qurʾān 5:32

[3]القرآن،8:61

Al-Qurʾān 8:61

[4]البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الإیمان، باب:المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ،(دمشق:دار النجاۃ،1422ھ)، رقم الحدیث:10

Al-Bukhari, Muhammad bin Ismail. Al-Jami' al-Sahih. Book of Faith, Chapter: A Muslim is the one from whose tongue and hand other Muslims are safe Damishq , Dar Ul Nijat , 1422 Higri, Hadith No. 10

[5]المسلم، مسلم بن الحجاج القشیری، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب:بیان قول النبی ﷺ:"بنی الإسلام علی خمس"، (بیروت ، دار الکتب العلمیہ ، 1412ھ)، رقم الحدیث:54

Al-Muslim, Muslim ibn al-Ḥajjāj al-Qushayrī, Ṣaḥīḥ Muslim, Kitāb al-Īmān, Bāb: Bayān Qawl al-Nabī : "Buniya al-Islām ʿalā Khams", Bayrūt: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, 1412 AH, Ḥadīth no. 54

[6]القرآن،3:103

Al-Qurʾān 3:103

[7]القرآن،16:125

Al-Qurʾān 16:125

[8]القرآن،23:96

Al-Qurʾān 23:96

[9]ابنِ ہشام، ابو محمد عبد الملک، سیرت ابنِ ہشام،(مترجم:یسین علی حسنی نظامی،لاہور:ادارہ اسلامیات)، جلد1، صفحہ نمبر207

Ibn Hisham, Abu Muhammad Abd al-Malik. Seerat Ibn Hisham. Translated by Yaseen Ali Hasni Nizami Dehlvi. Vol. 1. Lahore: Idara-e-Islamiyat, p. 207

[10]القرآن،1:256

Al-Qurʾān 1:256

[11]القرآن،20:44

Al-Qurʾān 20:44

[12]البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب بدء الخلق، باب:ذکر الملائکۃ، رقم الحدیث:3231

Al-Bukhari, Muhammad bin Ismail. Al-Jami' al-Sahih. Book of the Beginning of Creation, Chapter: Mention of the Angels. Hadith No. 3231

[13]القرآن،59:09

Al-Qurʾān 59:09

[14]المسلم، مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، کتاب التوبہ، باب:سعۃ رحمۃ اللہ تعالی وأنہا سبقت غضبہ، رقم الحدیث:6585

Al-Muslim, Muslim bin al-Hajjaj al-Qushayri. Sahih Muslim. Book of Repentance, Chapter: The vastness of Allah's mercy and that it precedes His wrath. Hadith No. 6585

[15]البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الأدب، باب: حسن الخلق والسخاء، رقم الحدیث:6011

Al-Bukhari, Muhammad bin Ismail. Al-Jami' al-Sahih. Book of Manners, Chapter: Good Character and Generosity. Hadith No. 6011

[16]المسلم، مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب:استحباب العفو والتواضع، رقم الحدیث:4624

Al-Muslim, Muslim bin al-Hajjaj al-Qushayri. Sahih Muslim. Book of Righteousness, Maintaining Ties and Manners, Chapter: The recommendation of forgiveness and humility. Hadith No. 4624